تاریخ گوئی کے متنازعہ مسائل-ایک تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر ابرار عبدالسلام*

Abstract:

One can not visualise that post colonial criticism would ever take its ambit of discussion such delicate versified art of master poets of Urdu having traits of Persian and Arabic tradition. Historians and scholars dealing with archives some times depend upon such verses to cross check the chronology. In this article some debateable points have been raised, whether fixed digits of some of the alphabets may be changed on the principal of phonetics.

کسی واقعہ کے تاریخی وقوع کو الفاظ میں اس طرح بیان کرنا کہ ان الفاظ کے حروف کے متعینہ اعداد سے مطلوبہ واقعہ کا سال وقوع ظاہر ہو، اصطلاحاً اسے تاریخ کہتے ہیں اور یہ عمل تاریخ گوئی کہلاتا ہے۔ اس فن کو شاعری یا نثر میں برتنے والی شخصیت کو تاریخ گو کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا فن ہے جس میں حروف اعداد کی قیمت متعین کرتے ہیں اور اس فن کا ماہر حروف یا الفاظ کی مدد سے لمحات گریزاں کو اس انداز میں نقش دوام عطا کرتا ہے کہ وہ ایک سالِ مطلوب ہی نہیں رہتا بلکہ ایک گہری تہذیبی معنویت کا حامل بھی بن جاتا ہے۔ ممکن ہے آج اس فن کو فعل عبث اور وقت کا ضیاع سمجھا جاتا ہو لیکن ایک وقت وہ بھی تھا جب ایک اچھے تاریخ گو کو بڑی قدر و منزلت حاصل ہوتی تھی اور معاشرے میں اسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کہنہ مشق اور استاد شاعر کے لیے اس فن سے کما حقہ واقفیت اور تاریخ کہنے کی صلاحیت ضروری سمجھی جاتی تھی۔

برعظیم میں سترھویں اور اٹھارویں صدی عیسوی میں کثیر تعداد میں عربی اور فارسی زبان میں تاریخیں کہی گئیں۔ شمالی ہند میں مغلوں کے زیرِ اثر اور جنوبی ہند میں بہمنی اور ان کے بعد بالخصوص قطب شاہی اور عادل شاہی

* اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج، کبیر والا۔

بادشاہوں کے زیرِ اثر اس فن نے خوب فروغ پایا۔ اٹھارویں صدی میں اردو میں بھی تاریخ گوئی کا آغاز ہو چکا تھا لیکن انیسویں صدی میں تو پورے برعظیم میں بالعموم اور شمالی ہند میں بالخصوص تاریخ گوئی نے ایک وبا کی صورت اختیار کر لی تھی۔ جسے دیکھو فکرِ تاریخ میں غرق دکھائی دیتا تھا۔

اس عہد میں شعرا پر تاریخ گوئی کا خبط اس حد تک سوار ہو چکا تھا کہ دن رات اسی عمل میں منہمک رہتے۔ بات بات پر تاریخ کہتے، گویا یہ ایک لت تھی جس کی تشفی کے لیے تاریخیں کہی جاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ انیسویں صدی کی بیشتر کتب میں انتہائی غیر اہم اور معمولی معمولی واقعات سے متعلق کہی گئی بے شمار تاریخیں نظر آتی ہیں۔ کسی کی گھڑی گم ہو گئی، کوئی برتن ٹوٹ گیا، کسی کو بخار ہوا، کسی کو مچھر نے کاٹ لیا، کوئی بیمار ہوا، صحت یابی پائی، غسل صحت کیا، کوئی گر پڑا، کسی کے گھر موذی جانور نکلا، کوئی بچہ گم ہو گیا، کسی نے داڑھی رکھ لی یا منڈوا دی، علاج شروع کیا، پرہیز توڑ دیا، کسی کو کوئی کھانا پسند آیا، کوئی مکان بنا، کسی کا عقیقہ ہوا، ختنہ ہوا، بسم اللہ ہوئی، بچہ مکتب میں بٹھایا، کسی کے گھر میلاد ہوا، غرض کوئی بھی واقعہ ہو، شعرا تاریخیں کہتے، یہ ایک ایسی لت تھی جس کی تشفی کے لیے بات بات پر تاریخ کہی جاتی۔ بات بات پر تاریخ کہنے کا چسکا شعرا کو ایسا لگ گیا تھا کہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، سوتے جاگتے مادہء تاریخ ہی سجھائی دیتا، حتیٰ کہ خواب میں بھی انھیں تاریخیں ہی نظر آتیں۔

صرف انیسویں صدی عیسوی میں بلا مبالغہ لاکھوں کی تعداد میں تاریخیں کہی گئیں ہیں۔ تاریخیں صرف اردو، فارسی اور عربی زبانوں میں ہی نہیں بلکہ علاقائی زبانوں میں بھی کہی گئیں۔ سندھی پشتو، پنجابی، ہندی اور انگریزی میں بھی تاریخیں کہی گئیں۔ ان زبانوں کے ساتھ ساتھ دیگر علاقائی زبانوں میں بھی تاریخیں ضرور کہی گئی ہوں گی۔ اسی طرح ہجری، عیسوی، بکرماجیتی، فصلی اور دیگر سنوں میں بھی تاریخیں کہی گئیں۔ غرض تاریخ کہنے میں کوئی پہلو، کوئی انداز اور کوئی صنعت ایسی نہیں جس کو برتا نہ گیا ہو۔

تاریخ گوئی کے متنازعہ مسائل:

فنِ تاریخ گوئی میں کسی تاریخ سے مطلوبہ اعداد حاصل کرنے کا اصول مکتوبی حروف پر ہے یعنی وہ حروف جو لکھنے میں آتے ہوں، خواہ بولنے میں آتے ہوں یا نہ آتے ہوں یا بولنے میں کسی اور حرف کی آواز دیتے ہوں مثلاً لفظ امجد کے تمام حروف بولنے میں آتے ہیں۔ لفظ گوجرانوالہ میں ن بولنے میں نہیں آتا اور لفظ گنبد اور منبر میں حرف 'ن' حرف 'م' کی آواز دیتا ہے۔ تاریخ میں اعداد نکالتے ہوئے حرف 'ن' کے اعداد شمار ہوں گے نہ کہ حرف 'م' کے۔

اگرچہ قواعد تاریخ گوئی میں حروف تہجی کے اعداد مقرر اور متفق علیہ ہیں لیکن تین حروف ایسے ہیں جن سے

متعلق مباحث اور اختلافات کو جانے بغیر صحیح تاریخ کہنا اور ان سے مطلوبہ اعداد حاصل کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہیں۔ یہ مسائل اور مباحث اتنے پیچیدہ ہیں کہ اکثر اوقات مادہ تاریخ سے مطلوبہ اعداد حاصل کرنا ''شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا'' کی مصداق بن کر رہ جاتا ہے۔ ان مختلف فیہ مسائل میں الف ممدودہ، تائے مربوطہ اور ہمزہ شامل ہیں۔ ان تینوں حروف کے حوالے سے آئندہ سطور میں مورخین کے نقطہ ہائے نظر بیان کیے گئے ہیں اور ان سے حتمی اصول اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاکہ اگر مادہء تاریخ نقل کرنے والے نے مطلوبہ سنہ کی نشاندہی نہیں کی تو قاری بھی ان اصولوں کی روشنی میں ان سے مطلوبہ تاریخ برآمد کر سکے۔

۱) الف ممدودہ اور الف مقصورہ کی بحث

الف ممدودہ کو قدیم رسم الخط میں دو الف کی شکل میں لکھنے کا دستور تھا لیکن متاخرین نے اس طریقہ کو ترک کر کے الف کے اوپر ایک چھوٹا سا مد بنا دیا۔ چونکہ قدیم رسم الخط میں الف ممدودہ کو دو الف کی شکل میں لکھا جاتا تھا اس لیے بعض ماہرین فن نے الف ممدودہ کے دو عدد محسوب کیے ہیں۔ مرزا جعفر اوج لکھنوی اپنی تالیف 'ارمغان' میں الف ممدودہ کے دو عدد محسوب کرنے کے عمل کو درست خیال کرتے ہوئے مرزا طالب علی کلیم کی تاریخ پیش کرتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ الف ممدودہ کو اگر مد کے ساتھ لکھیں گے تو دو عدد لیں گے اور اگر بغیر مد کے لکھیں گے تو ایک عدد محسوب کریں گے لیکن اکثر کے نزدیک دو عدد ہی محسوب ہونے چاہییں۔ اوج لکھنوی، کلیم ہمدانی کی درج ذیل تاریخ پیش کرتے ہیں۔ (۱)

از جلوۂ شاہدان فرخ پے فتح　　داد از پے ہم ساقی دوراں مے فتح
تاریخ فتوحات شہنشاہِ جہاں　　بنوشت کلیم، آمدہ فتح از پے فتح (۱۰۴۷ھ)

مذکورہ بالا تاریخ سے ۱۰۴۷ھ اسی صورت میں حاصل ہوتے ہیں جب 'آ' کے دو عدد شمار کیے جائیں۔ اوج لکھنوی کے خیال میں چونکہ کلیم نے الف ممدودہ کے دو عدد محسوب کیے ہیں اسی لیے الف ممدودہ کے دو عدد ہی محسوب کرنے چاہئیں۔ (۲)

وِلا نے کلیم کی یہ تاریک بھی نقل کی ہے جس میں الف ممدودہ کے دو عدد محسوب ہوئے ہیں۔ (۳)

داد ایزد بپادشاہِ جہاں　　خلقے ہم چو نو گل شاداب
چوں بایں مژدہ آفتاب انداخت　　افسر خویش بر ہوا چو حباب
طبع دریافت سال تاریخش　　زد رقم ، آفتاب عالم تاب (۱۰۲۸ھ)

میر نادر علی رعد 'گنجینۂ تاریخ' میں لکھا ہے کہ 'بعضوں کے نزدیک الف ممدودہ میں دو عدد محسوب ہیں۔ (۴) یہی بات میر مہدی حسین الم نے بھی لکھی ہے کہ بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ مرکب ہے ہمزہ اور الف ساکن ہے بنابراں ہر ایک کا ایک ایک عدد شمار کریں۔ (۵)

اکثر ماہرین فن جمل کا قول اور فعل اس کے برخلاف ہے۔ آزاد بلگرامی کی ''سرو آزاد'' میں بیسیوں ایسی تاریخیں نقل ہوئی ہیں جن میں شعرا نے الف ممدودہ کا ایک عدد ہی محسوب کیا ہے۔ ان میں محتشم کاشی، سنجر طہرانی۔ خواجہ حسن ہروی، عبدالجلیل بلگرامی اور آزاد بلگرامی کی تاریخیں اہمیت کی حامل ہیں۔ آزاد بلگرامی نے سرو آزاد میں میر یحییٰ، عبدالجلیل بلگرامی، عظمت اللہ بیخبر، فضل علی خان، شیخ اسداللہ غالب اور اپنی تاریخیں نقل کی ہیں جن میں الف ممدودہ کا ایک عدد ہی محسوب کیا گیا ہے۔ (۶) پورے تذکرے میں شاید ہی کوئی ایسی تاریخ ہو جس میں الف ممدودہ کے دو عدد محسوب ہوئے ہوں۔ خود منشی انور حسین تسلیم سہسوانی نے اپنی دوسری تصنیف 'عدد التاریخ' معروف بہ 'زنبیل تاریخی' میں جو 'ملخص تسلیم' کے بیس سال بعد شائع ہوئی، میں الف ممدودہ سے شروع ہونے والے تمام الفاظ میں الف ممدودہ کا ایک عدد ہی محسوب کیا ہے۔ (۷) ملخص تسلیم میں بھی 'علی و آل' ۱۴۱ھ اور 'عمدہ آلِ علی' ۲۶۰ھ کے تاریخی مادوں میں الف ممدودہ کا ایک عدد ہی محسوب ہوا ہے (۸) نواب عزیز جنگ ولا نے مرزا جعفر اوج کی مذکورہ بالا دلیل پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کلیم کا پایہ فن تاریخ گوئی میں کچھ ایسا بلند نہیں جس کی سند پر ہم قاعدۂ عام اور ائمہ جمل کے قول کی خلاف ورزی کریں۔ (۹)

الف ممدودہ کے دو عدد محسوب کرنے والوں کا خیال ہے کہ چونکہ

i- عربی میں الف ممدودہ میں دو الف ہیں۔

ii- فن عروض میں بھی 'آ' بروزن 'فا' شمار ہوتا ہے۔

iii- فارسی لغات کی تمام تصانیف میں حروفِ تہجی کے بیان میں الف ممدودہ اور الف مقصورہ کی فصلیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔

iv- الف ممدودہ پڑھنے میں دراز ہوتا ہے جیسے آمدن، آوردن وغیرہ اس لیے ان کے دو عدد محسوب کرنے چاہئیں (۱۰)

تاہم اِس موقف کو بنیاد بناتے ہوئے ان خیالات کے حامل ماہرین یہ بات نظر انداز کر جاتے ہیں کہ حساب جمل میں مکتوب کو ملفوظ پر ترجیح دی جاتی ہے اور بنیاد بھی مکتوب کو ہی بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ ملفوظی نقطۂ نظر کو بنیاد بناتے ہوئے الف ممدودہ کو دیکھنا اور اس کے دو عدد محسوب کرنا درست نہیں۔ مزید یہ کہ مد کو حروف تہجی میں داخل نہیں کیا جاتا اور نہ ماہرینِ فن جمل نے اس کا کوئی عدد مقرر کیا ہے۔ لہٰذا الف ممدودہ کے دو عدد محسوب کرنے پر اصرار

درست نہیں۔اس کا ایک عدد ہی محسوب کرنا چاہیے۔

ب) تائے مدوّرہ:

تائے عربی، رسم الخط میں دوطرح سے لکھی جاتی ہے۔

i۔ دراز جیسے 'ت' جس کا نام عربی میں تائے مبسوط ہے۔

ii۔ گول، جیسے 'ۃ' اس کو عربی میں مدور یا مربوط کہتے ہیں۔

تائے مدورہ دوطرح سے لکھی جاتی ہے۔

i۔ پہلی قسم کو تائے مدورہ موقوفہ کہتے ہیں جیسے توبہ، کعبہ، حجہ، روضہ، دوحہ وغیرہ۔

ii۔ دوسری قسم کو تائے مدورہ موصولہ کہتے ہیں جیسے توبۃ النصوح، کعبۃ اللہ، حجۃ اللہ، حجۃ البالغہ وغیرہ۔

جب کبھی تائے مدورہ حالت وقف میں ہو تو اس کی کتابت سے نقطوں کا حذف کرنا جائز رکھا گیا ہے۔ جس کی صورت مثل ہائے ہوز کے رہ جاتی ہے اور قرأت میں بھی 'ہ' کی آواز دیتی ہے۔ پس درازت 'ت' یعنی تائے مبسوط کے عدد پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اس کے ۴۰۰ عدد لینے چاہئیں لیکن تائے مدور یا مربوط کے اعداد محسوب کرنے میں خاصا اختلاف دیکھنے میں آتا ہے۔اسی اختلاف کے سبب تین گروہ سامنے آتے ہیں۔

i۔ پہلے گروہ سے تعلق رکھنے والے 'ۃ' کے عدد مثل درازت 'ت' کے ۴۰۰ عدد محسوب کرتے ہیں۔

ii۔ دوسرے گروہ سے تعلق رکھنے والے 'ۃ' کو 'ہ' قرار دے کر اس کے ۵ عدد محسوب کرتے ہیں۔

iii۔ تیسرے گروہ سے تعلق رکھنے والے 'ۃ' کے عدد حالت وقف میں پانچ اور غیر وقف میں چار سو محسوب کرتے ہیں۔

پہلے گروہ سے تعلق رکھنے والے افراد کا خیال یہ ہے کہ چونکہ اہلِ جمل کا قاعدہ رسم الخط یا کتابت پر مبنی ہے اور صاحبان رسم الخط نے تائے مربوط یا مدوّر کے لیے گول شکل دو نقطوں کے ساتھ قرار دی ہے اور اس شکل کا نام مدورت' ہی رکھا ہے۔اس لیے اس کے ۴۰۰ عدد محسوب کرنا چاہیے۔نواب عزیز جنگ ولا اسی مؤقف کی حمایت کرتے ہیں، ان کے خیال میں 'ہماری ذاتی رائے اور ہمارا مسلک یہ ہے کہ تائے مبسوط یا مدورہ کے چار سو عدد لیے جائیں خواہ وہ حالت وقف میں ہو یا نہ ہو(۱۱) جلال لکھنوی بھی اسی موقف کی تائید کرتے ہیں۔(۱۲)

دوسرے گروہ سے تعلق رکھنے والے افراد کا کہنا ہے کہ چونکہ گول 'ۃ' بلحاظ صورت کتابت 'ہ' ہے اور جمل کے قاعدۂ عام نے مکتوب کو معتبر جانا ہے لہٰذا ان کی رائے میں گول 'ۃ' کے عدد مثل 'ہ' کے پانچ محسوب ہونے چاہئیں۔

اس لیے کہ کتابت میں اُس کی شکل 'ہ' کے مثل ہے، خواہ وہ حالت وقف میں ہو یا غیر وقف میں۔ (۱۳)

تیسرے گروہ کا کہنا یہ ہے کہ گول 'ۃ' غیر حالت وقف بلاشبہ 'ۃ' ہے۔ اس لیے کہ اس کی صورت خاص نقطوں کے ساتھ 'ہ' ہی کے نام سے وضع کی گئی ہے اور قرأت میں اس کی آواز سے بھی 'ۃ' ہی کا وجود ثابت ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اس کے ۴۰۰ عدد محسوب نہ ہوں۔ البتہ حالت وقف میں اس کے پانچ عدد محسوب ہونے چاہئیں۔ اس لیے کہ کتابت سے نقطے بھی حذف ہو جاتے ہیں اور قرأت میں آواز بھی بدل جاتی ہے۔ اس کی شکل اور 'ہ' کی شکل میں کوئی فرق بھی باقی نہیں رہتا۔ مزید یہ کہ اہلِ نحو نے اس کو 'ہ' ہی سے تعبیر کیا ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اس کے ۴۰۰ عدد محسوب کریں۔ اِس سلسلے میں نواب عزیز جنگ ولا نے صاحبِ معدن الجواہر کا بیان نقل کیا ہے:

> ''جب کبھی زبان عربی میں تائے مدّ ور مستعمل ہو تو اس کی دو شکلیں ہیں۔ اگر ضمائر متعلقہ اور علامتِ تانیث اس کے ساتھ ملحق ہوں تو اس کے چار سو عدد محسوب ہوں گے جیسے رحمۃ اور دولتک اور اگر ضمائر متصلہ اور علامت تانیث اس کے ساتھ ملحق نہ ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہوں گی۔ ایک یہ کہ وسط ترکیب کلام اور فقرہ کے اندر واقع ہو جیسے جنۃ الفردوس اور رحمتہ اللہ میں، تو ایسے تائے مدورہ کے پانچ عدد (چار سو؟) لیے جاویں گے اور دوسرے یہ کہ آخر کلام میں واقع ہو اور حالت وقف میں رہے جیسے قسیم النار والجنۃ تو ایسے تائے مدوّرہ کو 'ہ' قرار دے کر اس کے پانچ عدد ہی محسوب ہونا ضرور ہے اور اس کے برخلاف عمل ناجائز۔'' (۱۴)

امام بخش صہبائی کا بیان جسے منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی نے 'ملخص تسلیم' میں درج کیا ہے وہ بھی اسی بات کی تائید کرتا ہے۔ (۱۵) ایرانی مصنف حسین نخجوینی نے اپنی تصنیف 'مواد التواریخ' میں اسی موقف کی تائید میں رقم طراز ہیں:

> ''در کلمۂ الجنہ والروضہ وامثال آنہا اگر در حال وقف است مثل دخل الجنۃ باید آخر الجنہ ھا حساب شود و اگر اضافہ شود مثل (جنۃ الفردوس) باید آخر جنہ تا حساب شود۔'' (۱۶)

ترجمہ: ''لفظ جنہ، روضہ اور ان کی مثل دوسرے الفاظ اگر حالت وقف میں ہوں جیسے دخل الجنہ تو الجنہ کا آخری حرف 'ہ' محسوب ہوگا اور اگر اضافہ ہو جیسے جنۃ الفردوس تو لفظ جنہ کا آخری حرف 'ۃ' محسوب ہوگا۔''

مذکورہ بالا بیانات کی تصدیق میں محمد عاکف کی کہی ہوئی تاریخ جو انہوں نے میرزا قطب الدین مائل کی وفات کے حوالے سے کہی تھی 'جعل جنۃ مثواہ' کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس مادۂ تاریخ میں انہوں نے لفظ جنۃ کے آخری حرف 'تا' کے چار سو اور لفظ مثواہ کے آخری 'ۃ' کو 'ہ' کا مقابل سمجھتے ہوئے پانچ عدد لیے ہیں۔ (۱۷)

اس حوالے سے ڈاکٹر خالد حسن قادری کا مؤقف ہے:

"The point we wish to make is that this controversy is neither new nor is in our opinion unique. Our opinion that where ۃ is pronounced is 'ت' it must, as a rule, be counted for 400 and where it is pronounced as 'ہ' it must always be counted for five is more relevant to the tone, temperament and needs of Urdu today than it ever was."(۱۸)

اگر ڈاکٹر صاحب لفظ کی ادائیگی اور آواز کے ساتھ لفظ کی کتابت کو بھی اعداد کے استخراج میں شامل کر لیتے تو ان کا مؤقف مزید مضبوط ہوسکتا تھا۔

'ۃ' کے اعداد محسوب کرنے کے سلسلے میں مورخین میں کسی حتمی فیصلے پر اتفاق رائے نہیں ہوسکا۔ اس بحث کو پیچیدہ بنانے میں ان تاریخ گو شعراء کا ہاتھ رہا ہے جنہوں نے اپنی مرضی سے کبھی 'ۃ' کے چار سو اور کبھی پانچ عدد محسوب کیے ہیں۔ اس انتشار مبحث کو سامنے رکھتے ہوئے تیسرے گروہ کے موقف کو قبول کرنا چاہیے کیونکہ ان کے دلائل زیادہ ٹھوس اور مبنی بر قیاس ہیں۔ لہٰذا تاریخ کہتے ہوئے تائے موصولہ کے چار سو عدد اور تائے موقوفہ کے پانچ عدد محسوب کرنا چاہئیں جیسا کہ محمد عاکف کی تاریخ 'جعل جنۃ مثواہ' میں محسوب ہوئے ہیں کیونکہ تائے موصولہ پر عموماً نقطے لگائے جاتے ہیں اور تائے موقوفہ پر نہیں اور وہ پڑھنے میں بھی 'ہ' کی آواز دیتا ہے۔ لہٰذا کتابت کو معتبر خیال کرتے ہوئے اسی فیصلے کو اختیار کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

ج) ہمزہ کی بحث:

ہمزہ کے عدد محسوب کرنے، نہ کرنے اور کتنے کرنے کے حوالے سے مورخین کے بیانات میں خاصا اختلاف دیکھنے میں آتا ہے۔ بعض مورخین کے نزدیک ہمزہ کے عدد کو محسوب کیا جاتا ہے اور بعض کے نزدیک نہیں کیا جاتا ہے کچھ ایسے بھی ہیں جن کا خیال ہے کہ بعض مقامات پر ہمزہ کا عدد محسوب کرنا چاہیے اور بعض جگہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس حوالے سے بڑی پیچیدہ صورتِ حال سامنے آتی ہے۔ ہمزہ کے حوالے سے صورتِ حال کو واضح کرنے کے لیے مورخین کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔ 'سرودِ غیبی' میں محمد علی جویا مراد آبادی کا بیان ہے:

''دیئے اور لئے میں بھی دو یا ہیں اور جہاں ہمزہ واقع ہوگا اور جس صورت پر واقع ہوگا اوس کے عدد لیں گے اور بعض نے نہیں لیے۔ موقع شرط ہے۔''(۱۹)

محمد عزیز اللہ عزیز نے 'بیان التواریخ' میں ہمزہ پر بھی بحث کی ہے ان کا خلاصہ سعید الظفر نے اپنے ایک مضمون میں نقل کیا ہے:

''ہمزہ عربی الفاظ میں الف کے بعد شمار ہوتا ہے اور نہیں بھی۔ فارسی اضافت وغیرہ کا ہمزہ نہیں گنا جاتا۔ دوسرے معاملوں میں اصل مصنف کا املا دیکھنا چاہیے۔''(۲۰)

منشی نجم الغنی لکھتے ہیں:

''ہمزہ کا کہ اس کی صورت یہ ہے (ء) بعض ایک عدد شمار کرتے ہیں اور بعض شکل یا لکھ کر دس عدد محسوب کرتے ہیں۔ بعض مہمل چھوڑ دیتے ہیں، عدد نہیں لیتے۔ تینوں صورتیں جائز ہیں۔''(۲۱)

دُرگا پرشاد نادر کا بیان ہے:

''جس کلمہ کے آخر میں ہائے مختفی ہو اور وہ مضاف ہو تو علاوہ ہائے مختفی کے ہمزۂ اضافی کو بھی شمار کریں گے مثلاً خانۂ خدا، اس میں 'ہ' کو بھی گنیں گے اور ہمزہ کو بھی شمار کیا جائے گا۔''(۲۲)

سیّد مسعود حسن کا بیان ہے:

''ہمزہ اوّل یا آخر میں آئے تو ایک عدد لیا جاوے گا اور اگر وسط میں آئے اور صورت یا پیدا کرے تو اس کے دس عدد لیے جائیں گے۔''(۲۳)

غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

''مخفی نماند کہ ہمزۂ کہ بعد الف می آید مورخان فرس اکثر اورا بجای الف داشتہ در تاریخ حساب می کنند چنانچہ در ترجمۂ خاں عالی گذشت کہ ہمزۂ التقاء وارد مصراع 'نحو جائز کرد اینجا التقائے ساکنین' محسوب ساختہ وگاہی حساب نمی کنند زیرا کہ شکلی از اشکال حروف تہجی ندارد چنانچہ در تاریخ میر یحییٰ کہ مورخ ہمزۂ احیاء را محسوب نہ ساختہ و مورخان عرب برعکس ایں عمل کنند یعنی اکثر حساب عمل نمی کنند وگاہی کنند وقت ضرورت مثلاً تاریخی از قرآن یا حدیث یافتہ میر عبد الجلیل بلگرامی تاریخ جلوس محمد فرخ سیر بادشاہ مطابق سنہ اربع وعشرین ومآتہ والف (یورثہا من یشاء) یافتہ وہمزہ را حساب کردہ گویند تاریخ مذکور باایں بیعت میر یحییٰ برلوح مزار او نقش کردہ اند۔''(۲۴)

یہ وہ بیانات ہیں جو اس فن کے ماہرین نے ہمزہ کے سلسلے میں بیان کیے ہیں۔ اب مذکورہ بالا بیانات کو بالترتیب تجزیے کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔

جویا مراد آبادی کی رائے میں لیے اور دیے میں دو یا ہیں اس لیے انہوں نے دونوں کے ۲۰ عدد محسوب کیے ہیں۔ لئے اور دیئے میں انہوں نے ہمزہ کو 'ی' کا قائم مقام جان کر اس کے ۱۰ عدد محسوب کیے ہیں۔ آگے چل کر

ان کا بیان ہے ''جہاں ہمزہ واقع ہوگا اور جس صورت میں ہوگا اس کے عدد لیں گے۔'' یہاں شاید ان کی مراد تلفظ سے ہے کہ ہمزہ جہاں پر جو آواز دے گا اسی آواز کے مطابق اس کے عدد لیے جائیں گے۔ مثلاً لئے اور دیئے میں 'ء'، 'ی' کی آواز دے رہا ہے اس لیے اسے 'ی' کا قائم مقام جان کر ۱۰ عدد لینا ہوں گے۔ اسی طرح جب ہمزہ شروع یا آخر میں آتا ہے تو وہ الف کی آواز دیتا ہے لہٰذا وہاں اس کا ایک عدد محسوب کرنا ہوگا۔ ان کے خیال میں ایسے مواقع پر بعض لوگ ہمزہ کے عدد محسوب نہیں کرتے 'موقع شرط' ہے سے ان کی مراد سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اگر ان کی مراد یہ ہے کہ یہ دیکھنا پڑے گا کہ مورخ نے اس مقام پر ہمزہ کے کتنے عدد لیے ہیں تو یہ کوئی بات نہ ہوئی اور اگر وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تاریخ نکالتے ہوئے اگر ہمزہ رکاوٹ ڈال رہا ہے تو اس کے عدد محسوب نہ کیے جائیں تو یہ ان کے سابقہ بیانات میں تضاد پیدا کر دیتا ہے۔ اصل مسئلہ تو اعداد کے استخراج کا ہے۔ اگر کسی مادہ ءتاریخ پر سالِ مطلوبہ درج نہیں ہوا اور نہ تاریخ نکالنے والے کو معلوم ہو کہ مذکورہ واقعہ کس سنہ میں وقوع پذیر ہوا ہے تو مادہ ءتاریخ سے درست سالِ مطلوب کس طرح حاصل ہوں گے۔

ہمزہ کے حوالے سے عزیز اللہ عزیز کا بیان مبہم نقل ہوا ہے۔ اس سے کوئی واضح صورتِ حال سامنے نہیں آتی۔ اس بیان سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مورخین نے ہمزہ کے اعداد محسوب کیے ہیں اور نہیں بھی کیے۔ اسی طرح ان کا دوسرا بیان 'دوسرے معاملوں' میں اصل مصنف کا املا دیکھنا چاہیے سے 'ان کی مراد شاید یہ ہے کہ یہ دیکھنا چاہیے کہ مصنف نے ہمزہ کو کتابت میں کس طرح استعمال کیا ہے۔ ان کا یہ بیان کہ فارسی اضافت میں جو ہمزہ آئے گا اس کا عدد محسوب نہیں کیا جائے گا، واضح ہے۔

منشی نجم الغنی کے بیان سے کوئی واضح صورتِ حال سامنے نہیں آتی اور نہ انہوں نے کوئی حتمی رائے دی ہے۔ انہوں نے ہمزہ کے عدد محسوب کرنے یا نہ کرنے کے حوالے سے تین نقطہ ہائے نظر بیان کر دیئے ہیں اور تینوں کو جائز بتایا ہے۔ اگر ان کی یہ بات مان بھی لی جائے تو کس طرح معلوم ہوگا کہ کس مقام پر ہمزہ کے کتنے عدد محسوب کرنے چاہئیں اور کس مقام پر ہمزہ کے عدد محسوب کرنے درست نہیں ہوں گے۔

دُرگا پرشاد نادر نے ہمزہ کی صرف ایک صورت کا بیان کیا ہے۔ فارسی ترکیب جیسے خانۂ خدا میں انہوں نے ہمزہ کا عدد محسوب کیا ہے۔ اُن کا یہ بیان نہ صرف جمہور علماء کے خلاف ہے بلکہ صحیح بھی نہیں۔ ہمزہ حروفِ تہجی میں سے کوئی حرف نہیں پھر اس کے عدد محسوب کرنا کیوں جائز ہوا اس کے متعلق وہ کوئی صراحت نہیں کرتے۔ ان کا مذکورہ بیان عزیز اللہ عزیز کے بیان کی تردید کرتا ہے جو کہ صحیح نہیں۔

مسعود حسن صاحب نے ہمزہ کی تینوں صورتیں بیان کی ہیں اور یہ بھی صراحت کی ہے کہ کس مقام پر ہمزہ کے کتنے عدد محسوب ہوں گے، لیکن ان کا یہ فیصلہ اکثر مورخین کے بیانات کی تائید نہیں کرتا کہ ہمزہ اوّل یا آخر میں آئے تو اس کا ایک عدد محسوب کرنا چاہیے کیونکہ اکثر فارسی اور اردو تاریخوں میں اول و آخر والے ہمزہ کا عدد محسوب نہیں کیا جاتا۔ البتہ عربی میں ایسا ضرور دیکھنے میں آتا ہے۔

آزاد بلگرامی کے بیان سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمزہ کے عدد محسوب کرنے یا نہ کرنے کے حوالے سے مورخین میں اختلاف ہے، لیکن ان کا نقطۂ نظر کیا ہے وہ واضح طور پر سامنے نہیں آتا۔ عبدالجلیل بلگرامی کی تاریخ میں تو ہمزہ کا ایک عدد محسوب ہوا ہے، لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ میر یحییٰ نے ہمزہ کا عدد محسوب نہیں کیا۔ شاید ان کا کہنا یہ ہو کہ عربی میں لفظ کے آخر میں آنے والے ہمزہ کا عدد تو محسوب کیا جائے گا، لیکن فارسی لفظ کے آخر میں آنے والے ہمزہ کا عدد محسوب نہیں کریں گے، لیکن اگر ہمزہ کسی لفظ کے اول یا درمیان میں آئے تو عدد کے محسوب کرنے کے حوالے سے کیا عمل کرنا چاہیے۔ اس حوالے سے کوئی وضاحت نہیں کی۔ آزاد بلگرامی کا مذکورہ بیان ہمزہ کے عدد کے محسوب کرنے یا نہ کرنے اور کس مقام پر کتنے عدد محسوب کرنے کے حوالے سے کوئی حتمی رائے نہیں دیتا۔ 'خزانۂ عامرہ' میں ان کا یہ بیان بھی مرقوم ہے: ''اما تاریخ گویان عرب ہمزہ را کہ بعد الف می آید حساب نمی کنند''(۲۵) ان کا یہ بیان عبدالجلیل بلگرامی کے موقف کی تردید کرتا ہے۔ آزاد بلگرامی کے بیانات کے حوالے سے ولا کا بیان ہے:

> ''آزاد بلگرامی نے نہ تو شعرائے قدیم عرب کی ان تاریخوں کی نقل کی اور نہ ان کے نام گنوائے محض تذکرہ میں ان کے مسلک جمل کا ذکر آیا ہے اور موقع کے لحاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ شعرائے عرب یعنی مافی ذہنہ سند ہیں۔ عبدالجلیل بلگرامی کے لیے یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ مورخان عرب کے پاس آیتِ قرآنی اور حدیث نبوی سے ملے ہوئے مادہ میں ایسا عمل بعض وقت جائز قرار دیا ہے۔ اس کے متعلق بھی متقدمین کے کسی ایسے مادۂ تاریخ کی سند نہیں پیش ہوئی تا کہ ہم اس سے اس بات کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ مورخان کا مرتبہ فن جمل میں کیسا ہے۔ ہمارے روبرو اس کے متعلق بھی جو کچھ ہے وہ آزاد بلگرامی کا تذکرہ اور عبدالجلیل بلگرامی کی تاریخ ہے اور بس۔ پس ایسی حالت میں ہم ایک عام قاعدہ کے مقابلہ میں جس کی تصدیق محققین و متقدمین کے اقوال متعددہ سے ہوتی ہے۔ ایسے استثنا ہی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ عبدالجلیل بلگرامی کو ضرورت وقت نے ایسے عمل ناجائز پر مجبور کیا ہوگا۔ یا فن جمل میں انہوں نے اپنی معلومات کو اسی حد تک پایا ہوگا یا ان سے تسامح ہوا ہوگا۔''(۲۶)

ہمزہ کے عدد محسوب کرنے یا نہ کرنے کے حوالے سے نواب عزیز جنگ ولا کی رائے بڑی واضح ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''وہ ہمزہ جو الف کے بعد آئے یا 'و' کے بعد اس کا کوئی عدد محسوب نہیں ہوگا، لیکن جو ہمزہ ان الفاظ پر آئے جو 'ی' کی آواز دیں مثلاً آئی، گئی، ہوئی، ہوئے، للچائی، کوئی، چھوئی، چھوئے، وغیرہ ان سب میں دو یا محسوب ہوں گے اور یہی مسلک درست ہے۔ اکثر مورخین کا قول بھی یہی ہے اور اکثر تاریخیں اسی حساب سے درست ثابت ہوتی ہیں۔''(۲۷)

ان اختلافات کے علاوہ تین اور معاملات ایسے ہیں جن کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے۔ اگر چہ ان معاملات پر مورخین میں اختلاف تو نہیں، لیکن اس سے آگاہی کے بغیر غلطی کا امکان بہر حال ہوسکتا ہے۔ ان میں کھڑی زبر تنوین اور تشدید شامل ہیں۔ اب ان تینوں پر علیحدہ علیحدہ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

i۔ کھڑی زبر:

یہ کوئی حرف نہیں بلکہ حرکت ہے۔ کتابت کے قاعدے سے اس کو الف میں شمار نہیں کیا جاتا۔ یہ مختصر سی علامت ہے جو الف کی صورت میں ہوتی ہے۔ یہ رسم الخط کی علامت ہے اس کا مقصد قاری کو نشاندہی کرانا ہوتی ہے کہ اسے الف کی آواز میں پڑھا جائے مثلاً عیسیٰ، موسیٰ، رحمٰن وغیرہ کی 'ی' اور 'میم' کو الف کی آواز کے ساتھ موسا، عیسا اور رحمان پڑھا جائے گا، لیکن چونکہ حساب جمل میں کتابت کو بنیاد بنایا جاتا ہے اس لیے ان کے اعداد کو محسوب کرتے ہوئے، موسیٰ، عیسیٰ کی 'ی' کے دس عدد اور رحمٰن کی 'م' کے ۴۰ عدد شمار کیے جائیں گے البتہ کسی تاریخ گو نے خود ہی عیسیٰ کو عیسا، موسیٰ کو موسا اور رحمٰن کو رحمان کی صورت میں لکھا ہو تو پھر اسی طرح اس کے اعداد محسوب کیے جائیں گے۔

ii۔ تنوین:

یہ بھی کوئی حرف نہیں بلکہ علامت ہے جیسے دفعتاً کے آخری حرف الف پر دو زبر چونکہ یہ بولنے میں نون کی آواز دیتا ہے۔ اس لیے اس سے دھوکا ہوسکتا ہے۔ لہٰذا کتابت کے اُصول کو ذہن نشین رکھتے ہوئے اسے الف ہی شمار کیا جائے گا اور اس کا ایک عدد ہی محسوب ہوگا۔

iii۔ تشدید:

یہ بھی ایک علامت ہے جو کسی حرف پر اس لیے لگائی جاتی ہے تاکہ بولنے میں دوہری آواز پیدا کرے مثلاً تدّبر، عزّت، مکرّم اور ملقّب میں حرف، ب، ز، ر اور ق بولنے میں دو مرتبہ ادا کیے جاتے ہیں، لیکن حسابِ جمل میں کتابت کے پیشِ نظر ان حروف کو صرف ایک مرتبہ محسوب کیا جائے گا۔

۱۰) اختلافی مباحث اسباب ومحرکات:

حساب جمل میں الف ممدودہ، ہمزہ اور تائے مدورہ کے سلسلے میں اختلافی مباحث اس درجہ انتشار کا شکار

ہوئے ہیں کہ پڑھنے والا اس میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے اور کسی نتیجے پر پہنچنا اس کے لیے ممکن نہیں تو آسان بھی نہیں رہتا۔ ان مباحث کی پیچیدگی اور کسی ایک نتیجے پر عدم اتفاق نے اس فن کو کافی نقصان پہنچایا ہے اور تاریخ گو شعراء اور ان تاریخوں سے مطلوبہ سنہ استخراج کرنے والوں کو کافی پریشان کیا ہے۔

ان مباحث میں پیچیدگی کی سب سے پہلی وجہ حروف کی شمولیت اور عدم شمولیت ہے۔ مثلاً الف ممدودہ دو الف ہیں یا صرف ایک الف، ہمزہ حروف میں شامل ہے یا نہیں اور اگر ہے تو اس کے عدد شمار ہوں گے یا نہیں اور ہوں گے تو کس مقام پر کتنے ہوں گے۔ تائے مربوط کس مقام پر 'ۃ' اور کس مقام پر 'ہ' تصور کی جائے گی اور ان کے کتنے کتنے اعداد محسوب ہوں گے، سامنے آتی ہیں جس نے اس معاملے میں خلط مبحث کو جنم دیا ہے۔

اختلافی مباحث کی دوسری وجہ کتابت کا معاملہ ہے۔ مباحث کو الجھانے میں اس نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ املا اور رسم الخط میں تبدیلیاں آتی گئیں۔ کم سواد کاتبوں نے ان مسائل کو مزید الجھانے میں کردار ادا کیا۔ کسی لفظ یا حرف کو جس طرح چاہا لکھ دیا۔ حساب جمل میں چونکہ کتابت معتبر ہے اس لیے یہ مسائل پیچیدہ تر ہوتے گئے۔ آغاز میں ان معاملات کو حل کیا جا سکتا تھا اور اس کے اصول متعین کیے جا سکتے تھے، لیکن چونکہ اس فن کے جاننے والے اور اسے بطور فن برتنے والے بہت کم ہوتے تھے لہٰذا اس پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔

چونکہ اس فن کی بنیاد عربی حروف پر رکھی گئی ہے اور اس کا قابلِ قدر استعمال اہلِ فارس نے کیا۔ لہٰذا اس زبان کی تبدیلی نے بھی اس میں پیچیدگی پیدا کی۔ مثلاً عربی میں لفظ رحمٰن، سلیمٰن وغیرہ کو کھڑی زبر کے ساتھ لکھا جاتا ہے، لیکن فارسی اور اردو میں اسے رحمان اور سلیمان لکھنا معیوب نہیں سمجھا گیا۔ تاریخ میں اگر یہ لفظ عربی رسم الخط میں لکھا گیا ہے تو کھڑی زبر کا کوئی عدد محسوب نہیں ہوگا اور اگر فارسی میں لکھا گیا ہے تو اس کا ایک عدد محسوب ہوگا۔ نواب عزیز جنگ ولا لکھتے ہیں: ''جن الفاظ میں رسم الخط فارسی نے الف کو داخل لفظ کیا ہے اس کو حساب جمل میں محسوب کرنا فارسیوں کے لیے لازمی ہے جیسا کہ لفظ سلیمان جس کی کتابت فارسی میں الف موجود ہے۔''(۲۸) لیکن معاملہ اس وقت الجھ جاتا ہے جب عربی رسم الخط کو فارسی اور اردو میں استعمال کیا جاتا ہے۔ نواب عزیز جنگ ولا لکھتے ہیں: ''حکیم کاشی نے جلوس شاہجہاں کی تاریخ میں ایسے الف کو محسوب نہیں فرمایا اور ہماری رائے میں ان سے تسامح ہوا ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے مادۂ تاریخ زبان فارسی میں لکھا اور رسم الخط کے خلاف عمل کیا۔ اگر رسائل رسم الخط فارسی سے لفظ سلیمٰن میں صرف کھڑا زبر لکھنا قرار پائے تو مورخ پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ کاشی کا مادہ تاریخ یہ ہے 'وارث ملک سلیمٰن آمدہ' ۱۰۳۷۔(۲۹)

راقم السطور کے خیال میں نواب صاحب کی رائے درست نہیں۔ جب حساب جمل میں کتابت پر اتفاق کرلیا گیا ہے تو یہ کہنا کہ فلاں زبان میں کوئی لفظ اس طرح نہیں لکھا جاتا درست نہیں۔ تاریخ گو کی مرضی ہے کہ اسے جس طرح چاہے لکھے کیونکہ اس کا مقصد تو مطلوبہ سنہ حاصل کرنا ہے نا کہ رسم الخط کی پابندی کرنا۔ مزید یہ کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ املا یا کتابت میں تبدیلی واقع ہوتی رہی ہے۔ اس حوالے سے بھی کتابت پر نظر رکھنی چاہیے۔ یہ تبدیلی کا عمل مختلف علاقوں میں مختلف اوقات میں ہوسکتا ہے اور اس کا تعین کرنا بھی آسان نہیں کہ کسی لفظ یا حرف کے رسم الخط میں کوئی تبدیلی کب اور کن کن علاقوں میں کس کس وقت واقع ہوئی۔

ان مسائل کے جنم لینے کا ایک سبب اس فن کے جاننے والوں کا بے جا تفاخر کا احساس بھی ہے۔ مثلاً اگر کسی تاریخ گو نے ان اختلافی مباحث پر کوئی فیصلہ صادر کیا تو دوسرا اس کو حوصلے سے سننے اور اسے قبول یا اختلاف کرنے کی بجائے غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرے تو اس مسئلے کو حل نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً امام بخش صہبائی نے تائے مدورہ کے حوالے سے اپنے موقف کا اظہار کیا تو منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی کا ردِعمل اس طور پر دیکھنے میں آتا ہے ''مولوی امام بخش صہبائی مرحوم دہلوی نے تاریخ میں تائے مدورہ کے چار سینکڑوں اور پانچ احاد لینے کے جھگڑے میں ایک محاکمہ فرمایا ہے..... ہاں اس عبارت میں اپنے آپ کو ہیچمدان لکھا ہے بخدا تمام کتاب میں یہی ایک قول صحیح ہے اور نہیں۔ (۳۰)

اختلافی مباحث کی ایک وجہ تاریخ گو شعراء کی من مانیاں بھی ہیں۔ انہوں نے جس حرف کو جس طرح چاہا استعمال کرلیا۔ کبھی ایک حرف کے ایک عدد لیے ہیں تو دوسری تاریخ میں اس کے دوسرے عدد محسوب کیے ہیں۔ انوار حسین تسلیم سہسوانی لکھتے ہیں:

> ''ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ ذ کی کا قول ساقط الاعتبار ہے کہیں تا کے چار سو اور کہیں پانچ عدد شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح کسی جگہ 'ب' کے دو عدد اور کہیں سات محسوب کرتے ہیں۔''(۳۱)

قاعدہ جمل میں کھڑی زبر کا بالاتفاق کوئی عدد محسوب نہیں کیا جاتا، لیکن مولوی دلدار علی نے نواب آصف الدولہ کی تاریخ وفات میں دو کھڑی زبر کے دو عدد محسوب کیے ہیں۔ تاریخ یہ ہے ''طٰہٰنا روح وریحان وجنّت النعیم''

حواشی وحوالہ جات

۱۔ محمد جعفر اوج، مرزا، ارمغان، لکھنو: مطبع جعفری ۱۳۰۵ھ، ص ۳۳۰۔۳۲۹۔ اوج لکھنوی لکھتے ہیں مرزا طالب علی کلیم نے تاریخ ولادت جو عالمگیر کی کہی تو اس میں الف ممدودہ جو لفظ آفتاب میں ہے اس کے دو عدد لے کر ایک کا تخرجہ کیا ہے اور مادہ تاریخ سے ایک ہزار اٹھائیس سنہ ہجری مستخرج ہوتے ہیں۔ یہی تاریخ میر مہدی حسین آلم نے 'گلبنِ تاریخ'، مطبع فخر نظامی حیدر آباد، ص ۶ میں بھی نقل کی ہے۔

۲۔ محمد جعفر اوج، مرزا، ارمغان، ص ۳۲۹

۳۔ دیکھئے: نواب عزیز جنگ ولا، غرائب الجمل، مرتبہ: ڈاکٹر حسن الدین احمد، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، ۱۹۹۸ء، ص ۲۷

۴۔ میر نادر علی رعدؔ، گنجینۂ تاریخ، حیدر آباد: مطبع فخرِ نظامی ۱۳۱۳ھ، ص ۲۱۱

۵۔ میر مہدی حسین آلمؔ، گلبن تاریخ حیدر آباد: مطبع فخرِ نظامی، ۱۳۱۳ھ، ص ۷

۶۔ آزاد بلگرامی نے 'سرو آزاد' میں بہت سی تاریخیں درج کی ہیں۔ درج ذیل تاریخیں اسی تذکرے سے ماخوذ ہیں۔ یہ تاریخیں مختلف تاریخ گو شعرا کی کہی ہوئی ہیں۔ ان تمام تاریخوں میں 'آ' سے ایک عدد ہی حاصل کیا گیا ہے۔

☆ نشاند آزاد سروِ سبز تازہ ۱۱۶۶ھ (ص ۴)

☆ آہ از رضی ۱۰۲۴ھ (ص ۳۱)

☆ شد شاہ جہاں آباد از شاہ جہاں آباد (ص ۸۶)

☆ آہ-آہ امتیاز خان ۱۱۲۲ھ (ص ۱۳۹)

☆ سادات دواش آنچہ باید کردند ۱۱۳۱ھ (ص ۱۶۹)

☆ آیتِ رحمتِ الٰہی آمد ۱۱۵۰ھ (ص ۱۷۷)

☆ آفتاب رفت ۱۱۶۴ھ (ص ۱۸۹)

☆ آہِ رفتند ہر دو زیں عالم ۱۱۶۳ھ (ص ۲۲۰)

☆ بر سپہر آمدہ ماہ ۱۰۹۵ھ (ص ۲۲۲)

☆ آں جانِ معنی آرزو رفت ۱۱۶۹ھ (ص ۲۳۱)

☆ آہ آہ نظام ۱۰۰۳ھ (ص ۲۴۵)

☆ قلعہ آگرہ گرفت ۱۱۳۱ھ (ص ۲۸۰)

۷۔ آفتاب احمد خان، ڈاکٹر، فن تاریخ گوئی کی ابتدا، دہلی: برہان، جون ۲۰۰۰ء، ص ۹

۸۔ انوار حسین تسلیم سہسوانی، منشی، ملخص تسلیم، مرادآباد: مطلع العلوم واخبار نیر اعظم، ۱۸۹۶ء، ص ۳۲۔۳۱

۹۔ ایضاً، ص ۷۲

۱۰۔ آفتاب احمد خان، ڈاکٹر، فن تاریخ گوئی کی ابتدا، دہلی: برہان، جون ۲۰۰۰ء، ص ۷

۱۱۔ نواب عزیز جنگ ولا، غرائب الجمل، ص ۸۵

۱۲۔ افادۂ تاریخ، مشمولہ نگار تاریخ نمبر، رامپور جولائی ۱۹۶۳ء، ص ۱۱۔ جلال لکھنوی نے 'افادہ ءتاریخ' میں اس حوالے سے تفصیل سے روشنی ڈالنے کے بعد امام بخش صہبائی کے مؤقف پر چوٹ کرتے ہوئے اپنے مؤقف کو پیش کیا ہے۔ ان کا بیان ہے۔ ''سنا گیا ہے کہ مولوی امام بخش صہبائی مرحوم دہلوی نے تاریخ میں تائے مدورہ مذکورہ کے چار سیکڑے اور پانچ احاد لینے میں ایک محاکمہ فرمایا ہے یعنی قول فیصل لکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ تائے مدورہ موقوفہ کے تو پانچ احاد لیے جائیں اور موصولہ کے چار سیکڑے مثلاً برب الکعبہ کی تے کے پانچ احاد لیے جائیں اور کعبۃ اللہ کی تے کے چار سیکڑے۔ واہ کیا خوب فیصلہ کیا ہے جس نے قاعدہ ءتاریخ ہی کو برہم کر دیا یعنی صورت کتابت کو کچھ دخل ہی تاریخ میں نہ رہا۔ محض تلفظ پر کہ جس کا مطلق اعتبار تاریخ میں نہیں ہے، دارومدار رکھا گیا ہے یعنی برب الکعبہ میں جو در حالت وقف ہے (ہ) ملفوظ ہوتی ہے اس کے پانچ لیے جائیں اور کعبۃ اللہ میں در حالت اصل جو تے ملفوظ ہوتی ہے اس کے چار سو۔ اس فیصلہ کو ان کے معتقدین ہی تسلیم فرمائیں۔ دوسرا کیونکر مان لے کہ قاعدہ ءتاریخ ہی مٹا جاتا ہے۔'' (ص ۱۲)

۱۳۔ اس حوالے سے آزاد بلگرامی لکھتے ہیں: ''وتاریخ جعل جنۃ مثواہ نقصانی دارد کہ مؤرخ از تاجنۃ کہ آنرا در املا عربی بشکل ہامی نویسند چہار صد گرفتہ حال آنکہ پنج باید گرفت'' (خزانہ ءعامرہ ص ۳۳۰) جلال لکھنوی نے 'افادہ ءتاریخ' میں بھی اس مؤقف کے حامل شعرا کی تفصیلات درج کی ہیں۔ ان کا بیان ہے۔ ''جوت' کہ رسم الخط عربی میں طویل یعنی دراز لکھی جاتی ہے مثلاً تائے جمع وغیرہ کے جیسے کائنات، صفات، ذات، ہیہات، باغات وغیرہ کی تے، اس کے چار سیکڑے تاریخ میں لیے جائیں گے اور تائے تانیث اسمی وتائے مصدری وغیرہ کے پانچ احاد لینا چاہیے کیونکہ ایسی تے کو رسم الخط عربی میں مدور یعنی گرد لکھتے ہیں بہ شکل ہا، پس جو ہے کے عدد ہوتے ہیں وہی عدد اس تے کے بھی لینے

چاہئیں چنانچہ یہ وجہ ہے کہ الف مقصورہ کے بھی جو لفظ اعلیٰ، ادنیٰ، عیسیٰ، مصطفیٰ، عیسیٰ، مرتضیٰ وغیرہ کے آخر میں آتا ہے، دس عدد لیے جاتے ہیں۔ ایک عدد نہیں لیا جاتا۔ اس واسطے کہ رسم الخط عربی میں الف مقصورہ بہ شکل یائے تحتانی لکھا جاتا ہے۔ پس مؤرخین محقق ثقات نے ایسی تے کے پانچ ہی عدد لیے ہیں۔ یعنی اس تے کو ہے قرار دیا ہے اور محض کتابت کا اعتبار کیا ہے۔ چنانچہ استاد اول مؤلف جناب میر علی اوسط رشک مغفور نے کسی کتاب موسوم بہدایۃ الشعرا کے ختم کی تاریخ جو فرمائی ہے۔

زغیب یافتم اے رشک مصرع تاریخ
ہدایۃ الشعرا جائے حل مصطلحات ۱۲۵۷ھ

تو اس میں تائے مدورہ لفظ ہدایۃ الشعرا کے پانچ احاد لیے ہیں یا منشی مظفر علی اسیرؔ مرحوم نے جو نواب امداد حسین خاں صاحب بہادر مغفور مخاطب بامین الدولہ وزیر اعظم امجد علی شاہ بادشاہ لکھنؤ کے کسی مرض سے صحت پانے کی تاریخ کہی ہے چنانچہ ان کے دیوان فارسی میں موجود ہے۔ اللھم احفظ من البلیۃ ۱۲۶۳ھ۔ اس میں بھی تائے بلیۃ کے پانچ احاد لیے ہیں یا منشی امیر احمد ساحب امیرؔ مخلص سلمہ اللہ تعالیٰ ارشد تلامذہ اسیرؔ مرحوم نے جو اپنے دیوان کا نام تاریخی مرآۃ الغیب رکھا ہے اس میں بھی تائے مرآۃ کے پانچ ہی عدد لیے ہیں یا منشی اسمٰعیل حسین منیرؔ مرحوم شاگرد رشکؔ مغفور نے جو دیوان سوم اعلیٰ حضرت قدر قدرت خداوند نعمت نواب محمد کلب علی خاں صاحب بہادر دام اقبالہم والیِ ریاست رام پور کا اسم تاریخی درۃ الانتخاب ۱۲۹۴ھ رکھا ہے اس میں بھی تائے دُرۃ کے پانچ ہی عدد لیے ہیں یا مؤلف رسالہ ہذا نے جو اسم تاریخی رسالہ ہذا کے آغاز تالیف کا مادۃ التاریخ ۱۲۹۲ھ رکھا ہے اس میں بھی لفظ مادۃ کی تے کے پانچ آحاد لیے ہیں اور بڑی دلیل تو اس تے یعنی تائے مدورہ کی ہے (ہ) قرار دینے کی مؤلف کے پاس یہ ہے کہ صاحب مقامات نے جو مقدمہ بست وہشتم میں خطبہ صنعت مہملہ یعنی غیر منقوطہ لکھا ہے اس میں اس طرح کی تائیں بہت سی آ گئی ہیں کہ وہ سب ہا قرار دی جاتی ہیں۔۔۔۔ (ص ۱۱)

۱۴۔ معدن الجواہر بحوالہ غرائب الجمل ص ۸۱

۱۵۔ اقتدار احمد ساحر سہسوانی، ملہم تاریخ، ترجمہ: ملخص تسلیم، مراد آباد: مطبع مطلع العلوم واخبار نیر اعظم، ۱۹۱۲ء ص ۴۴۔ امام بخش صہبائی کا بیان یہ ہے۔ ''قسم چہارم چوں مصطفیٰ ومرتضیٰ ومجتبیٰ حبلی وامثال آں کہ ملفوظ الف است ومکتوب یا، یا در امثال ایں الفاظ عدد حروف حروف مکتوب باشند نہ ملفوظی یعنی عدد حرف آخر مصطفے وغیرہ دہ گیرند نہ یک ویراین محمول اند الفاظ عیسی وموسی والیٰ وعلیٰ وحتیٰ کہ ہمہ در حساب یا اند باقی مانند لفظ کعبہ وشریفہ ایں دو حال دارد یکے آنکہ در اسلوب عربی واقع شدہ تائے فوقانی ملفوظ شود چوں کعبۃ الشرعفۃ۔ دوم آنکہ بسبب وقف بہا بدل شود یا در اسلوب فارسی افتد

درصورت اول عدد حرف آخر آں چہار صد شمردہ شود و درصورت ثانی پنج ولہٰذا دریں مصرع تاریخی کہ درشاہ جہاں آباد بر سر مسجدی متصل اجمیری دروازہ واقع وقدیم است کندہ اند وہاے کعبہ را پنج گرفتہ اند(کرد کعبہ بنا خلیل اللہ)خلیل اللہ نام شخصے کہ آں را بنا کردہ بود۔ بہر کیف ایں لفظ داخل است درقسم سوم وازیں جنس اند قیامۃ وساعۃ درصورت وقف عمدہ وسیف الدولہ ونخفہ وحصہ وعامہ وخاصہ واگر گوئی کہ چرا درقسم چہار داخل نباشد چہ تا است درصورتِ ہا گوئیم کہ در اسلوب عربی ازیں الفاظ مصطفے وغیرآں تفاوت بسیار است زیرا کہ درانجا درحقیقت یا است و بالف بدل شدہ و با بجہت آں نوشتہ اند تا معلوم شود کہ اصل تحتانی است ودرایں جا خود نیست وانچہ می گویند کہ تا بصورت ہاست مجاز است حقیقت آنست کہ تا را دررسم الخط درہم چومقامات ہمیں صورتا ست گوبصورتے دیگر شدہ باشد ودرصورت فارسی تا بدل شدہ ہا گردیدہ است اکنوں تا نماندہ درنظیر ایں است کہ جمیع کلماتے کہ دراں تعلیل بکار میرود چوں باغ وقال وامثال آں واؤ است یا بود درازیں عالم است تماشا وتمنا وتقاضا وتماشا کہ فارسیاں بالف خوانند ونویسند پس بالف محسوب شوند ازیں بحث معلوم شد کہ درعلم تاریخ رقمی حروف معتبر است گوخود بتلفظ نیامدہ باشد یا بصورت دیگر متلفظ شود چوں ایں مقدمہ معہد شد اکنوں شروع درمطلب نمایم آرے ؎ تا کے سخن از سخن ربائیم   ہم برسرِ مطلب خود ائیم۔ میگویم تاریخے کہ ملازمان شامی نوشتہ اند یعنی (متوجہ الی الکعبۃ الشریفۃ)ازاں قبیل است کہ تے کعبہ وشریفہ ہر دو دچہار صد اعتبار کردہ شود نہ پنج چہ اسلوب عربی واقع شدہ است بہ براسلوب فارسی چنانکہ تاریخے بالا نوشتم دریں صورت اعتراض بجا ست دریں مصرع کہ نوشتہ اند ؎ تاریخ گفت خضر کہ قد قامت الصلوٰۃ۔ اگر صلوٰۃ را بلفظ نبات وذات قافیہ کردہ اند تا اعتبار کردن واجب است و پنج گرفتن بیخبری است از قواعد ایں فن واگر گیاہ وراہ وامثال آں قافیہ نمودند پس درحساب پنج محسوب خواہد شد۔(ملخص تسلیم ص۴۵۔۴۴)

۱۶۔ حاج حسین نخجوانی، مواد التواریخ، تہران: کتاب فروشی ادبیہ، ۱۳۴۳ھ، ص ز

۱۷۔ دیکھیے: خزانۂ عامرہ، غلام علی آزاد، بلگرامی، کان پور: مطبع منشی نول کشور، ۱۸۷۱ء، ص ۳۳۰

۱۸۔ مولانا حامد حسن قادری اینڈ دی آرٹ آف دی کرانوگرام، خالد حسن قادری، کراچی: انجمن پریس، ۱۹۸۸ء، ص ۵۶

۱۹۔ سرود غیبی مسمیٰ خیابان تاریخ از محمد علی جویا مرادآبادی، منشی نول کشور لکھنؤ، ۱۸۸۱ء، ص ۷

۲۰۔ سعید الظفر چغتائی، ایک صنعت نگار و تاریخ گو فارسی واُردو شاعر، علی گڑھ: فکر ونظر، مارچ ۲۰۰۱ء، ص ۳۰

۲۱۔ منشی نجم الغنی، بحر الفصاحت، لکھنو: منشی نول کشور، ص ۹۹۶

۲۲۔ حاشیہ چمن انداز، ص ۶۰

۲۳۔ مسعود حسن مسعود، سیّد، عندلیب تاریخ، الٰہ آباد: اسرار کریمی پریس، ۱۹۶۳ء، ص ۳۲

۲۴۔ خزانۂ عامرہ، ص ۴۶۰

۲۵۔ ایضاً، ص ۳۴۵

۲۶۔ غرائب الجمل، ص ۱۰۳

۲۷۔ دیکھئے، ایضاً، ص ۱۰۵۔۹۵

۲۷۔ ایضاً، ص ۴۷

۲۸۔ ایضاً، ص ۴۷

۲۹۔ انوار حسین تسلیم سہسوانی، منشی، ملخص تسلیم، مرادآباد: مطلع العلوم واخبار نیر اعظم، ۱۸۹۶ء، ص ۹۷

۳۰۔ ایضاً، ص ۶۷

۳۱۔ نواب عزیز جنگ ولا، غرائب الجمل، مرتبہ: ڈاکٹر حسن الدین احمد، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، ۱۹۹۸ء، ص ۷۵۔۴۷، وِلا لکھتے ہیں مولانا نے الفاظ (بہنا) اور (جنت) دونوں میں کھڑے زبر کو الف قرار دے کر ان کے عدد محسوب فرمائے ہیں اور یہ ان کی بدیہی غلطی اور قاعدہ جمل کی خلاف ورزی ہے۔

❁❁❁